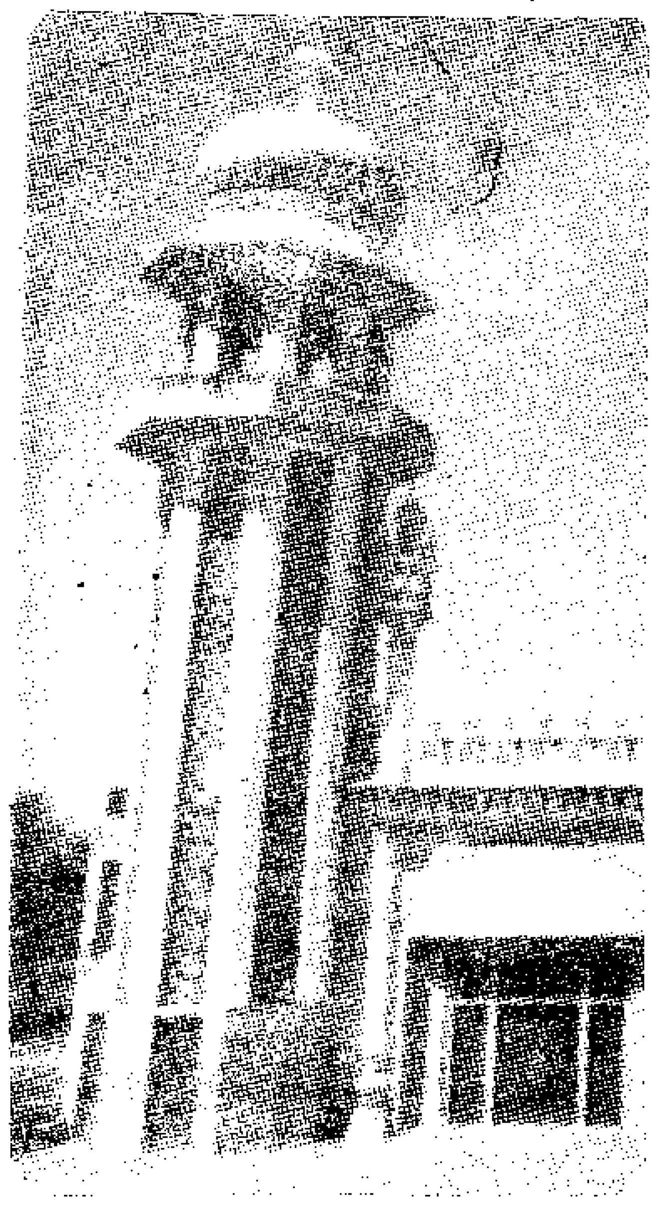

تقریر ۔ حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم
تحریر ۔ محمد عثمان غنی بی اے، واہ کینٹ

دینی مدارس کی عظمت

دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں روال اکیڈمی پشاور میں مقیم حکومت پاکستان کے سینئر آفیسرز کا ایک گروپ ماہ اکتوبر ۱۹۸۱ء کے اواخر میں چند روز کے لئے بغرض مطالعہ حاضر ہوا تاکہ دینی ماحول میں کبھی چند روز گذار کر وہاں کے ماحول سے متاثر ہو سکے۔ اس موقع پر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کے ارشاد کے مطابق ایک نشست میں ہمارے مخدوم حضرت مولانا قاضی زاہد الحسینی صاحب دامت برکاتہم نے مندرجہ ذیل خطاب سے مہمانانِ گرامی کو نوازا

(محمد عثمان غنی)

دین اور دنیا معزز حاضرین کرام! شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں مذکور مندرجہ ذیل دعا اتنی عظیم ہے کہ شارع علیہ السلام نے اس کے پڑھنے کا مطاف کے اندر حجرِ اسود کے قریب پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ

اس سے ایک اور اہم چیز واضح ہو جاتی ہے کہ مسلمان کا مطمحِ نظر کیا ہونا چاہیئے ہے کہ دنیا بھی اللہ کی مرضی کے مطابق گذرے اور قیامت بھی اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق ہو۔

دینی مدارس کا کردار اب میں آپ کی خدمت میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایک اسلامی مملکت کے حصول میں دینی مدارس کا کیا کردار ہو سکتا ہے؟ آپ سب پڑھے لکھے حضرات ہیں اور مجھ سے بہتر جانتے ہیں کہ جب کسی وطن کے حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ مذہبی بنیادوں پر کیونکہ دنیا میں ہر حکومت نظریاتی ہے۔ میرا اپنا نظریہ ہے۔ آپ کا اپنا نظریہ ہے۔ ہر انسان کا ایک نظریہ ہے وَلِکُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا (بقرہ ۱۴۸) قرآن میں آتا ہے۔ ہر ایک کا اپنا اپنا نظریہ ہے۔ دنیا میں جتنی بھی مملکتیں قائم ہیں یا ہوتی رہتی ہیں یا ہوتی رہیں گی سب ایک نہ ایک نظریے پر ہوتی ہیں۔ خواہ وہ نظریہ آسمانی ہو یا انسانی ہو۔ خدا کو نہ ماننے کا بھی تو نظریہ ہے نا؟ کوئی نہ کوئی نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہم اپنے وطن پاکستان کی مثال لے سکتے ہیں۔ پاکستان کے حصول میں سب سے

جو بنیادی وجہ ہے۔ جس پر کامیابی ہوئی وہ یہی ہے کہ مسلمانوں کی تعداد بڑی کافی ہے۔ اسلامی حکومت کے مٹ جانے کے بعد مسلمانوں نے جو ترقی کی اپنے عددی اعتبار سے وہ اتنی موثر اقلیت تھی کہ وطن کو تقسیم ہونا پڑا۔ تو اب سوچنا یہ ہے کہ جب اسلامی حکومت بھی چلی گئی تو حکومت کوشش کرتی مسلمانوں کی تعداد بڑھانے میں۔ تو یہ درمیان میں عرصہ گذر رہا ہے اس عرصہ میں مسلمانوں کی تعداد کو کس نے بڑھایا؟ کس نے مسلمانوں کا تحفظ کیا؟ تو یہی کہنا پڑے گا کہ اسلامی مدارس نے۔ اگر یہ مکاتیب نہ ہوتے، یہ مساجد نہ ہوتیں، یہ خانقاہیں نہ ہوتیں، یہ دین پڑھانے والے نہ ہوتے تو کیا برصغیر میں مسلمانوں کی تعداد بڑھ سکتی تھی؟

اسلامی مدارس کی خدمات | آپ سب پڑھے لکھے دوست ہیں، آپ اچھی طرح جانتے ہیں کہ جس بنیاد پہ یہ وطن عزیز حاصل کیا گیا ہے، برصغیر کی تقسیم کی گئی، وہ کیا بنیاد تھی؟ کہ اس ملک میں کلمہ پڑھنے والوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ اگرچہ وہ اقلیت میں ہیں لیکن اتنی اقلیت موثرہ ہیں کہ وہ الگ وطن مانگتے ہیں اور ان کو الگ وطن دینا پڑا۔ تو یہ تعداد جو تھی کس نے بنائی؟ انہی مدارس نے بنائی۔ آخر دین کے پھیلانے والے، دین کو محفوظ کرنے والے تو یہ مدارس اور مکاتیب ہی تھے۔ اور میرے عزیزو! آپ لکھے پڑھے دوست ہیں میں آپ سے کیا عرض کروں؛ ہندوستان میں ایک ہزار سال تک تقریباً مسلمانوں کی حکومت رہی ہے۔ اس ایک ہزار سال کے عرصہ میں بڑے مدرسے کھلے۔ اور انگریز کے زمانے میں تو بڑے مدارس تھے۔ سب مکاتیب کی شکل میں تھے کسی میں قرآن مجید پڑھایا جاتا تھا۔ ترجمہ تو خیر نہیں تھا۔ کسی میں فقہ کی چند کتابیں تھیں۔ قرآن کا ترجمہ سب سے پہلے شاہ ولی اللہ نے کیا۔ یعنی قرآن مجید کا ترجمہ نہیں پڑھایا جاتا تھا۔ سب سے پہلے جو ترجمہ ہے اس برصغیر میں شاہ ولی اللہ دہلوی نے کیا فتح الرحمن کے نام سے۔ پہلے ترجمہ ہی نہیں تھا قرآن شریف کا۔ ناظرہ قرآن شریف پڑھاتے تھے۔ یہ بھی بہت بڑی چیز تھی۔ ایک ہزار سال تک برصغیر میں مسلمانوں کی حکومت رہی۔ اور اس عرصے میں ایک بھی اتنا عظیم ادارہ قائم نہ ہو سکا جو سارے علوم و فنون پڑھاتے۔ مکاتیب تھے، مدارس تھے، اپنی اپنی نوعیت تھی لیکن جامع جسے کہتے ہیں وہ صرف دارالعلوم دیوبند تھا۔ جس کو قائم ہوئے آج ایک سو سال سے زیادہ عرصہ ہو گیا ہے۔ اس مدرسے میں جو تعلیم دی گئی یا اب بھی جو دی جاتی ہے یہ جامع تعلیم ہے۔ جتنے ہمارے علوم اسلامیہ ہیں سارے کے سارے پڑھائے جاتے ہیں۔ تو اسلامی سلطنت کے چلے جانے کے بعد بھی دین کو جس نے محفوظ رکھا، مسلمانوں کے عقیدے کو جس نے محفوظ رکھا، ان کی اسلامیت کو محفوظ رکھا، وہ دینی مدارس تھے۔ جن میں ممتاز ترین کام جو ہے وہ دارالعلوم دیوبند کا ہے۔

دینی مدارس کا اہتمام | حضرت نانوتویؒ کا ارشاد گرامی ہے کہ حکومت تو جا چکی۔ اب مسلمانوں کے ایمان کا تحفظ کیا جائے۔ چنانچہ وہ تحفظ ہوا اور الحمدللہ بڑے اچھے طریقے پر ہوا۔ اور پھر ان دینی مدارس سے پھر آگے چل کر جو علماء

نکلے، صلحاء نکلے، فصحاء نکلے، مناظر نکلے اور اسی دینی مدرسے کی ایک شاخ دارالعلوم حقانیہ بھی ہے۔ اب تقسیم کے بعد آپ حضرات خود سوچیں کہ تقسیم وطن کے بعد اگر ایسے دینی مدارس چھوٹے چھوٹے نہ ہوتے تو وہ لوگ جو اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے ہندوستان جایا کرتے تھے اب تو وہ آنا جانا ختم ہو چکا تھا۔ یہ دارالعلوم حقانیہ اس برصغیر ہی میں نہیں بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ سارے عالم اسلام میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ اس علوم کی تدریس ہے۔ علوم کا سمجھانا ہے۔ لکھنا لکھانا، ہر اعتبار سے دینی خدمت ہو رہی ہے۔ اور یہ اتنا بڑا قومی پلیٹ فارم ہے۔ اور یہ جو اتنے بڑے محسن ہیں۔ اتنے بڑے محسن کوئی نہیں ہیں۔ آپ سمجھیں ایک بہت بڑا دنیا دار اگر دنیا سے چلا جاتا ہے تو قوم کے لئے کچھ نہیں چھوڑ کر جاتا، قوم کو کیا دے جاتا ہے؟ اگر کوٹھیاں ہیں تو اس کی اپنی ہیں۔ ملیں ہیں تو اس کی اپنی ہیں۔ بنک میں پیسہ ہے تو اس کا اپنا ہے۔ قوم کو اس نے کیا دیا؟ یا اسی طرح مختلف شعبے جو ہیں ان کے سربراہ اگر دنیا سے جاتے ہیں تو قوم کو کیا دے کر جاتے ہیں؟ بہت کم ایسے لوگ ہیں جو خیراتی ادارے قائم کر کے جاتے ہیں جن سے قوم فائدہ اٹھاتی ہے لیکن یہ لوگ؟ مثلاً مولانا صاحب کو آپ دیکھ لیں۔ ہمارے مولانا عبدالحق صاحب دامت برکاتہم کو آپ دیکھ لیں۔ انہوں نے قوم کو کیا دیا ہے؟ کئی ادارے بنوا دیے۔ کئی ہزار موذن دیئے، کئی ہزار خطیب دیئے۔ کئی ہزار مدرس دیئے۔ اور کئی ہزار کتابیں تصنیف ہو رہی ہیں۔ ہوتی چلی جائیں گی۔ اتنی عظیم بلڈنگیں قوم کو دیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ دنیا میں اور بھی کئی دین کے کام ہو رہے ہیں۔ جامعہ ازہر ہی کو آپ دیکھ لیں۔ مصر میں جامعہ ازہر دنیا کی بہت بڑی یونیورسٹی ہے مگر وہ بھی حکومت کے تعاون سے چل رہی ہے۔ اس کے اوقاف ہیں۔ اساتذہ کی بڑی معقول تنخواہیں ہیں۔ وظائف دیئے جاتے ہیں۔ ان کی سرپرستی حکومت کرتی ہے۔ لیکن یہ دینی مدارس یہ جو ہمارے وطن میں ہیں ان کی سرپرستی کون کرتا ہے؟ ان مدارس کے مہتمم حضرات آپ حضرات سے، اور لوگوں سے پیسہ پیسہ جمع کرتے ہیں۔ اور اس پیسے کو اس ایمانداری اور دیانت داری کے ساتھ صرف کرتے ہیں کہ مدارس بن جاتے ہیں، مساجد بن جاتی ہیں۔ مکاتیب بن جاتے ہیں۔ تو یہ مدارس پہلے ہی تھے، اب بھی وہی کام کر رہے ہیں جو کام استحکام وطن کے لئے ضروری ہیں۔

نظریے کا تحفظ اگر کسی اسلامی مملکت کا حصول ہو گیا مثلاً پاکستان ہمارا وطن ہے۔ یہ اسلامی نظام کے نعرہ ہائے بلند کے تحت حاصل ہو گیا۔ اب اس وطن میں اگر بجائے اسلامی نظریات کے لادینی نظام کا پرچار شروع ہو جائے تو اس وطن کا حاصل ہونا اور نہ ہونا برابر ہو جائے گا۔

اسپین کی مثال آپ کے سامنے موجود ہے۔ ہسپانیہ میں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی۔ آٹھ سو سال حکومت کی مسلمانوں نے۔ اب اتنا کچھ ہوا ہے۔ یہ بھی شاہ فیصل مرحوم کی کوشش تھی جواب بار آور

ہوئی ہے کہ سپین سے جو عرب لوگ بھاگے تھے ان کو ان کے خاندان واپس لانے کی اجازت مل گئی ہے۔ پرسوں اخبار میں تھا آٹھ سو سال تک جہاں حکومت کی۔ اس کا ایسا زوال ہوا کہ ہسپانیہ میں آج سے تقریباً پچاس سال پہلے بلکہ چالیس، بلکہ تیس سال پہلے کی بات ہے۔ کہ وہ لوگ یہ نہیں کہتے تھے کہ میں مسلمان ہوں۔ اپنے آپ کو مسلمان کہنا بھی جرم تھا۔ اب کچھ سال ہوتے ہیں کہ سپین میں اسلام کو سچائی کے طور پر تسلیم کر لیا گیا ہے۔ اگر کوئی اپنے آپ کو مسلمان کہے تو وہ کہہ سکتا ہے۔ یعنی جس ملک میں آٹھ سو سال مسلمانوں نے حکومت کی اس ملک میں اسلام کا نام لینا بھی جرم ہو گیا۔ اور یہ نتیجہ کیوں تھا؟ وہاں مکاتیب اسلامی نہیں تھے، مدارس نہیں تھے۔

ہمارے اس وطن میں انگریز نے دو سو سال حکومت کی ہے اور وہ حکومت ایسے کی ہے کہ بڑے جبر کے ساتھ حکومت کی اور ایسی تجاویز بروئے کار لائی گئیں کہ مسلمانوں کو عیسائی بنا دیا جائے، مرتد کر دیا جائے تاکہ ہماری حکومت کامیاب ہو سکے۔ وہ کیوں کامیاب نہ ہو سکے؟ یہ دینی مدارس، یہ اسلامی مکاتیب، یہ دینی کتابیں آڑے آئیں۔ انہوں نے مسلمانوں کے دل اور دماغ پر ایسا قبضہ کیا ہوا تھا کہ مسلمان گنہ گار تو ہو سکتا ہے لیکن دین کو چھوڑ دے؟ یہ نہیں ہو سکتا۔ ہم خود گناہ گار ہیں۔ مگر ایک گناہ گار سے گناہ گار مسلمان بھی یہ نہیں برداشت کر سکتا کہ اسے کہا جائے کہ تو غیر مسلم ہے۔ ایک انسان کے عقیدے کے خلاف کوئی بات کی جائے تو ہرگز گوارا نہیں کر سکتا۔ یہ ساری کی ساری محنتیں کس کی تھیں؟ ان دینی مدارس کی تھیں۔ دینی مکاتب کی تھیں۔ یہ ہمارے ذہن میں ویسے ہی ڈال دیا گیا ہے کہ دین اور دنیا الگ الگ ہوتے ہیں۔ اسی لئے میں نے قرآن حکیم کی محولا بالا آیت پڑھی ہے۔ دنیا اور دین الگ الگ شعبے ہیں۔ یہ غلط بات ہے۔ دین اور دنیا ایک ہی چیز ہے۔ دونوں ایک گاڑی کے پہیے ہیں اور یہی بات امام الانبیاء کے زمانہ تک بھی تھی۔ بعد میں اب بھی ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اگر وہ صوفی تھے، سالک تھے، رات کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں محو رہتے تھے تو دن میں وہ جہاد کرتے تھے۔ اگر وہ مجاہد تھے تو ساتھ ہی وہ مبلغ بھی تھے۔ اگر مبلغ تھے تو ساتھ سپاہی بھی تھے۔ یعنی سارے صفات صحابہؓ میں تھے۔ تبھی تو اسلام پھیلا ورنہ تو آپ پڑھے لکھے دوست ہیں، مجھے حجاب آتا ہے۔ آپ دیکھ لیں کوئی بھی ایسا نظریہ ہے مجھے بتائیں جو دس سال میں پھیلا ہو۔ اور ایسا پھیلا کہ اقوام عالم پر چھا جائے۔ یہ اشتراکیت کو آپ دیکھیں، مارکس نے اس کی بنیاد رکھی۔ لینن نے اسے پھر پروان چڑھایا۔ اور پھر اس نے اپنے پتے شاخیں نکالی ہوں۔ تقریباً سو سال کے عرصہ میں اس نظریے کو پھیلانے کے لئے کوشش کی گئی لیکن امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، جب آپؐ کی عمر چالیس سال ہے۔ آپؐ نے دعوت نبوت کا من جانب اللہ اعلان فرمایا کہ آپ اللہ کے نبی ہیں۔ تیرہ سال تک مکہ مکرمہ میں رہے اور وہ زندگی ہے جو سفر کی زندگی ہے مشقت کی زندگی ہے، کوئی وہاں کام نہیں ہو سکا سوا عقیدے کی اصلاح کے۔ تیرہ سال تک لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھایا کہ عقیدہ پختہ ہو جائے۔ پھر دس سال آپؐ مدینہ منورہ میں رہے اور دس سال کے عرصہ میں ۵۲ جنگیں لڑیں نبی کریمؐ

نے (صلی اللہ علیہ وسلم) چھوٹی بڑی ملا کر ۴۵ جنگیں۔ تو سال میں کتنی ہو گئیں؟ چار تو سال میں جنگیں ہو گئیں جس ایک دنیا کے عظیم ترین انسان کو سال میں چار دفعہ سخت جنگیں لڑنی پڑیں تو بتایئے کہ وہ کامیاب ہو گا کہ ناکام ہو گا؟ بظاہر تو ناکام ہونا چاہئے لیکن اس دس سال کے عرصے کے بعد جب امام الانبیاء اس دنیا سے تشریف لے جاتے ہیں تو دس لاکھ مربع میل کے آپ مالک ہیں۔ آپ کی حکومت دس لاکھ مربع میل تک ہے۔ تو اگر حضورؐ اس دنیا کے سامنے یا جس طرح ہمارے ذہن میں ایک تصور ہے کہ یہ تمدن کیا ہے، کہ دنیاوی زندگی سے الگ تھلگ ہو جاتا، تو پھر دس لاکھ مربع میل تو کیا ایک میل بھی نہ لیتے۔ اسلام دونوں چیزوں کو جمع کرتا ہے۔ دین کو بھی اور دنیا کو بھی۔ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے مذمت کی ان لوگوں کی جو فقط دنیا مانگتے ہیں۔ فرمایا میں تو دین بھی دے سکتا ہوں۔ آخرت بھی دے سکتا ہوں دونوں دے سکتا ہوں تو دونوں دین ہیں۔

ہمارے اسلاف | ہمارے گذشتہ سلاطین کی تاریخ آپ دیکھ لیں۔ اس برصغیر میں فرخ سیر قرآن کا حافظ تھا علاؤ الدین خلجی قرآن کا حافظ تھا۔ اورنگ زیب قرآن کا حافظ تھا، عالم تھا۔ اس کے علاوہ بھی کئی سلاطین گذرے ہیں تیمور خود بیٹھ کر سنتا تھا مناظرے اور یہ جج ہوتا تھا۔

ایک مناظرہ کرایا تیمور نے علامہ تفتازانی اور دوانی کے درمیان۔ اس پر کہ أُولٰئِكَ میں کونسا استعارہ ہے؟ تو تیمور نے تفتازانی کو کامیاب کیا۔ ان کے مقابل کو ناکام کیا۔ یعنی تیمور فیصلے کیا کرتا تھا علماء کی ان بحثوں میں۔ میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دین اور دنیا دونوں ساتھ چلتے ہیں۔ یہ تو ویسے ہی کہا گیا کہ جی اگر دین کی طرف آئے تو دنیا نہیں ملے گی، اگر دنیا کی طرف آئے تو دین نہیں ملے گا۔ نہیں۔ بڑی لمبی فہرست ہے ہمارے پاس۔ ایک طرف وہ فلسفی ہیں ایک طرف وہ حافظ حدیث ہیں۔ ایک طرف وہ مجاہد ہیں۔ ایک طرف وہ مصنف ہیں۔ ایک طرف وہ مبلغ ہیں۔ ایک طرف وہ بہت بڑے صناع ہیں۔ ابن رشد فلسفی ہے۔ بہت بڑا فلسفی گذرا ہے جسے یورپ بھی مانتا ہے۔ اتنا بڑا فقیہہ ہے۔ اس نے ایک کتاب بھی لکھی ہے "ہدایۃ المجتہد" یہاں پڑھی ہو گی۔ یعنی مذاہب میں جو اختلافات ہیں، بہت ہی اہم موضوع ہے۔ ایک مسئلے میں کتنے قول ہیں۔ مثلاً سر کا مسح ہے۔ اس میں کتنے اقوال ہیں۔

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سارے سر کا مسح کرو۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دو تین بال ہوں تو تب بھی خیر ہے، ہمارے امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ سر کے چوتھے حصے کا مسح کرو۔

میں ایک مثال دیتا ہوں ــــ ابن رشد نے "ہدایۃ المجتہد" کی دو جلدوں میں وہ سارے مسائل جمع کر دئے جن میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ تو اتنا بڑا عالم ہو گا نا؟ ایک طرف تو وہ اتنا بڑا فلسفی ہے اور ایک طرف وہ اتنا بڑا فقیہہ ہے۔ پھر اس کو مؤطا امام مالک پورا زبانی یاد ہے۔ ہمارے ہاں ایک دینی کتاب ہے حدیث کی مؤطا امام مالک، ابن رشد کو پورا مؤطا امام مالک زبانی یاد ہے۔ یہ دو تین مثالیں ہیں اس لئے خدمت میں عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے ہاں یہ جو اختلاف

رکھا گیا یہ کوئی پالیسی تھی کسی کی کہ ان کو آپس میں نہ ملنے دیا جاتے۔ یہ بالکل غلط ہے۔

شیخ الہند اور علی گڑھ

ہمارے شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ — مولانا محمود حسن، اسیر مالٹا۔ جب وہ مالٹا سے واپس تشریف لاتے تو علی گڑھ تشریف لے گئے اور وہاں جو خطبہ دیا وہ چھپا ہوا موجود ہے۔ آپ نے اس خطبے میں فرمایا کہ تمہارے پاس اس لئے حاضر ہوا ہوں کہ میرے درد کے غمخوار بہ نسبت دینی مدارس کے تم میں زیادہ ہیں۔ تو انہوں نے ویسے ہی یہ بات نہیں کی کہ یہ وہی یونیورسٹی علی گڑھ ہے کہ جس کو غیر اسلامی طاقتیں دور کر رہی ہیں اُسے قریب لایا جاتے کیونکہ ہم سب آپس میں کلمہ پڑھنے والے ہیں جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ ہم دونوں اسلام کی طاقتیں ہیں۔ اس کے بعد پھر جامعہ ملیہ کا وجود ہوا۔ آپؒ کا مقصد یہ تھا کہ دونوں مدارس کے امتزاج سے ایک بہت اچھا ذہن پیدا ہو۔

حضرت لاہوریؒ کی وسیع الظرفی

اس لئے میرے دوستو اور میرے عزیزو! دین میں مسلمان سارے کے سارے شریک ہیں۔ ہم سب کلمہ پڑھنے والے ہیں۔ کوئی کس رنگ میں ہے کوئی کس رنگ میں ہے۔ سپاہی سب ہیں۔ ہمارے اس دور حاضر کے امام الاولیاء مولانا احمد علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ایک بہت اچھا واقعہ ہے۔ میں عرض کر دوں۔ ڈاکٹر سید عبداللہ کو آپ سب حضرات جانتے ہوں گے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے بہت ہی اچھے آدمی ہیں بہت بڑے ادیب ہیں۔ یہ حضرت لاہوریؒ کے شاگرد ہیں۔ یہ ایک جماعت تھی جس میں علامہ علاؤ الدین صدیقی —— ابوالحسن علی ندوی۔ قاری محمد طیب صاحب دارالعلوم دیوبند کے مہتمم۔ ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب۔ یہ سارے حضرات ہم سبق تھے لاہور میں —— ڈاکٹر صاحب نے خود یہ واقعہ لکھا ہے۔ اخباروں میں چھپ چکا ہے کہ میں ان کے پاس جب پڑھا کرتا تھا تو ان کی صحبت کا مجھ پر یہ اثر تھا کہ میں نے داڑھی چھوڑی ہوئی تھی۔ جتنا زمانہ میں ان کے پاس رہا۔ یا آنا جانا رہا، تو میری داڑھی تھی۔ بعد میں کچھ ایسے واقعات ہوتے، انسان ہیں، ہم سب سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں۔ یہ کوئی اتنی بڑی بات نہیں۔ تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ میں نے داڑھی صفا کر دی۔ بال اتار دئیے۔ کافی وقت گزر گیا میں "فارغ البال" ہو گیا۔ تو مجھے اب حجاب آتا تھا کہ میں مولانا صاحب کے پاس کیسے جاؤں؟ مولانا کے پاس اس لئے نہ گیا کہ مجھے حجاب آتا تھا کہ میرے شیخ، میرے استاد مجھے کیا کہیں گے؟ کہیں گے کہ تو پروفیسر ہو گیا اورینٹل کالج کا۔ تو اب اس نے یہ کام کیا؟ اتفاق کی بات ہوئی کہ ایک شادی میں حضرت مولانا بھی تشریف لاتے اور میں بھی وہاں مدعو تھا۔ میں مولانا سے چھپ چھپا کر پیچھے کی طرف بیٹھ گیا۔

[illegible] اور لادینی طاقتوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی ہے

یہ علمی جو رشتہ [illegible] تھا؟ یہ [illegible] ہے [illegible] یہ آپ کو دینی مدارس میں ملے گا۔ اور کسی

تو استاد اور شاگرد میں ایک رشتہ تھا [illegible] دوستو اور عزیزو! [illegible] وہاں بھی کسی جگہ کوئی سیمینار

جگہ نہیں ملتا۔ کم ملتا ہے [illegible] کم ملتا ہے [illegible] کم ہے۔ ہوتا ہے

ہوا، پچھلے دنوں (غالبًا اسلام آباد میں) نئی صدی کے استقبال کے سلسلہ میں، تو اس میں برصغیر کے سارے دانشور اکٹھے ہوتے۔ باہر سے بھی آئے تھے۔ بھارت سے بھی آئے تھے۔ ہمارے صدر صاحب بھی ایک اجتماع میں آئے، ایک نشست میں، تو سب سے پہلے آپ ملے، مصافحہ کیا، لیکن ایک شخص تھے جن کو آپ نے گلے لگایا، معانقہ کیا۔ اور کافی دیر تک ان سے باتیں کرتے رہے اور ان کو دعوت دی کہ میرے پاس جو صدارتی محل ہے اس میں آپ قیام کریں۔ تو وہ کون تھے جنہیں سینے سے لگایا؟ مولانا احمد سعید صاحب اکبر آبادی فاضل دیوبند۔ دلّی میں آپ پڑھتے تھے ان کے پاس، کلاس ہوتی تھی، پھر یہاں پڑھا۔ ان کا احترام کیا، معانقہ کیا اور ان کو دعوت دی کہ آپ میرے پاس قیام کریں۔ یہ استادی شاگردی کا رشتہ اسلام ہی سکھاتا ہے۔

تو حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس مجلس شادی میں تشریف لاتے تو ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں ان سے چھپ کر بیٹھا تھا۔ تو شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ مولانا اپنی نشست سے اٹھے اور سیدھے میرے پاس آ گئے اور فرمانے لگے بیٹا! آپ کیوں چھپ کر بیٹھے ہیں؟ بات سنو!

ان لوگوں کی باتیں بڑی اونچی ہوتی ہیں۔ یہ بہت اچھے لوگ ہوتے ہیں جی ـــ فرمایا بیٹا! آپ بھی اسلام کے سپاہی ہیں، میں بھی اسلام کا سپاہی ہوں۔ تم بے وردی ہو اور میں باوردی ہوں ہیں ہم دونوں اسلام کے سپاہی ـــ دیکھا جوڑا نا جی؟ توڑا تو نہیں نا؟ اگر نہ دیکھتے اور فرماتے عبداللہ شاہ! ہٹ جاؤ، دفع ہو جاؤ، تم نے داڑھی منڈا ڈالی وغیرہ ـــ لیکن نہیں، اٹھ کر ان کے پاس خود تشریف لے گئے۔ پاس جا کر بیٹھے اور فرمایا بیٹا مجھ سے شرمانے کی کیا بات ہے؟ تم بھی اسلام کے سپاہی ہو، میں بھی اسلام کا سپاہی ہوں۔ میں باوردی ہوں تم بے وردی ہو ـــ خادم الدین میں یہ واقعہ چھپا ہے ـــ کتنا بڑا یہ فلسفہ ہے۔

مسلمان بیک وقت دین و دنیا کے کام کر سکتا ہے

تو محترم حضرات! ہم سب الحمدللہ مسلمان ہیں۔ آپ پاکستان گورنمنٹ کے سربرآوردہ اہلکار ہیں۔ آپ کو دینی مدارس کے دورہ کے لئے منتخب کیا گیا ہے۔ آپ کی جو صلاحیتیں ہیں وہ بھی مسلّم ہیں۔ اگر آپ کے اندر دینی صلاحیتیں زیادہ اجاگر ہوں گی تو ان کا فائدہ آپ کو ملے گا اور آپ کے ماتحتوں کو ملے گا۔ جہاں آپ جائیں گے وہاں فائدہ پہنچے گا۔ ہمارے پچھلے دور کا ہر تاجر، تاجر بھی تھا مبلغ بھی تھا۔ ہر حکیم مبلغ بھی تھا حکیم بھی تھا۔ ہر معمار، معمار بھی تھا اور مبلّغ بھی تھا۔ یہ ہمارے جتنے علماء گذرے ہیں کوئی لوہار ہے کوئی ترکھان ہے۔ کوئی بزّاز ہے۔ کسی کا کوئی پیشہ ہے کسی کا کوئی۔ ہمارے امام ابوحنیفہؒ جن کے ہم مقلّد ہیں آپ کپڑے کا کاروبار کرتے تھے اور صابونی بہت بڑے عالم گذرے ہیں۔ صابون بنا کر بیچتے تھے لیکن ساتھ ہی دین کا کام بھی کرتے تھے۔ صابون بھی بک رہا ہے۔ دین کا کام بھی ہو رہا ہے۔ حلوائی ہے، حلوہ بھی بیچا۔ دین کا کام بھی کیا۔ میرا مقصد کہنے کا یہ ہے کہ ہمارا دین جو پھیلا ہے اس طرح پھیلا ہے۔ یہ تصور تو غیر اسلامی ہے کہ دین اور دنیا الگ ہیں۔ آپ نے

تاریخ ابھی پڑھی ہوگی۔ ہندوؤں میں تقسیم مناصب ہے۔ تقسیم فرائض ہے۔ برہمن جو ہے وہ صرف دین کا کام کرتا ہے۔ دنیا کا کام نہیں کرتا۔ اسی طرح شودر ہیں۔ ہمارے ہاں یہ نہیں ہے۔ ہمارے ہاں تو مبلغ بھی ہے۔ مجاہد بھی ہے تاجر بھی ہے وہ مصلے پر بیٹھ کر نماز بھی پڑھا سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر تجارت بھی کر سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر تیر کمان، اور بندوق بھی تیار کر سکتا ہے۔ مصلے پر بیٹھ کر وہ ترجمہ بھی پڑھا سکتا ہے۔ تو ہمارے ہاں تو دین و دنیا کا کوئی الگ تصور ہی نہیں ہے یہ تو بدیشی حکومتوں کا ایک حربہ ہے کہ پھوٹ ڈال دو الگ الگ کر دو۔

مسلمان بادشاہ کا دینی مقام شمس الدین التمش رحمۃ اللہ علیہ خاندان غلاماں کے ایک بادشاہ ہو گذرے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہیں۔ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں گذرے ہیں۔ وفات سے قبل خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خدام کو اپنا جنازہ پڑھانے والے شخص کے متعلق وصیت فرمائی کہ کون سا شخص جنازہ پڑھائے۔

آپ کے وصال کے بعد آپ کا جنازہ اٹھا۔ اسلامی مملکت۔ التمش کی حکومت، ولی کا جنازہ، صلحاء، اتقیاء صوفیاء، اور علماء سب جمع ہیں۔ تو اس وقت تو لاؤڈ سپیکر نہیں تھے۔ سلطان شمس الدین التمش بھی پچھلی صف میں کھڑے ہیں، پوچھا جنازہ میں کیا دیر ہے؟ عرض کیا گیا کہ خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے وصیت فرمائی ہے کہ میرا جنازہ وہ شخص پڑھائے جس میں یہ صفات ہوں۔

نمبر ایک۔ آج تک تہجد کی نماز قضا نہ ہوئی ہو۔

نمبر دو۔ اپنی بیوی کے علاوہ کسی کے ساتھ تعلق نہ ہوں۔

نمبر تین۔ عصر کی سنتیں کبھی نہ چھوٹی ہوں۔

اتنے علماء موجود ہیں مگر کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ آگے بڑھے۔ آپ نے تاریخ میں یہ واقعہ پڑھا ہو گا کہ سلطان شمس الدین التمش نے حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ خود پڑھائی۔ ہمارے سلاطین بیک وقت دنیا کے حکمران بھی تھے اور ساتھ ہی تقوای کے اعلیٰ مقام پر بھی فائز تھے۔

آخری عرضداشت تو عرض کرنے کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہم میں اختلاف پیدا کیا گیا کہ ایک طرف مسٹر ہوں دوسری طرف ملا ہوں۔ حالاں کہ ہم سب مسلمان ہیں۔ اسلام یہ سکھاتا ہے میرے دوستو! کہ اگر ایک ڈاکٹر ہے تو وہ ڈاکٹر بھی ہو اور مبلغ بھی ہو۔ اگر ایک مولوی ہے تو وہ ڈاکٹر بھی ہو سکتا ہے۔ اگر یہ اختلاف ختم ہو جائے تو ہم سب مل کر اسلام کی خدمت کر سکتے ہیں۔

یہ بڑی خوشی کا مقام ہے کہ ہماری حکومت نے یہ منصوبہ بنایا کہ آپ جیسے حضرات کو کہا گیا کہ آپ دینی مدارس میں بھی جائیں وہاں جا کر طلبا کو دیکھیں۔ دینی ماحول میں کچھ وقت گذاریں۔ دیکھا آپ نے کتنا بڑا یہ ادارہ

(باقی صـ ۱۲۵ پر)